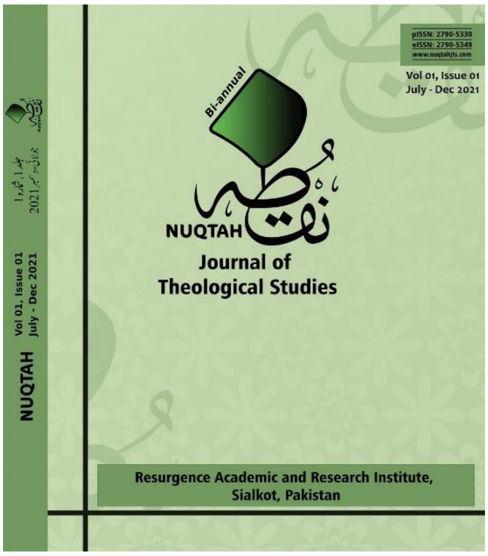

NUQTAH Journal of Theological Studies

Editor: Dr. Shumaila Majeed

(Bi-Annual)

Languages: Urdu, Arabic and English

pISSN: 2790-5330 eISSN: 2790-5349

https://nuqtahjts.com/index.php/njts

Published By:

Resurgence Academic and Research Institute, Sialkot (51310), Pakistan.

Email: editor@nuqtahjts.com

قرآنی آیات سے مستنبط تصورِ دین ومذہب

Concept of religion derived from Qurānic verses

Dr.Muhammad Sarwar
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
The College of Law, Narowal
Qarisarwar974@gmail.com

Dr. Shamshad Akhtar
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
Punjab Group of Colleges, Sialkot
Prof.shamshad34@gmail.com

Published online: 31st December 2021

View this issue

OPEN ACCESS

CC BY

Complete Guidelines and Publication details can be found at:
https://nuqtahjts.com/index.php/njts/publication-ethics

قرآنی آیات سے مستنبط تصورِ دین ومذہب

Concept of religion derived from Qurānic verses

ABSTRACT

The word religion has several meanings, one of which is the method, and in the Qurānic terminology, the word religion is used for the principles and rules that were common to all the prophets from Ādam (peace be upon him) to the last of the prophets. The religion of all the prophets was the same, that is, believing in Allah with the heart, confessing with the tongue, the Day of Resurrection and reckoning in it, and believing in the heart with heaven and hell, believing in the Messenger and the commands he brought. And the word Sharīʿah or Minhāj or religion is used for sub-rules which vary in different times and in different nations, and the real meaning of the word Islam is to surrender oneself to Allah and to obey Him. In terms of meaning, all those who believed in Him and obeyed His commands in the time of every prophet and messenger deserve to be called Muslims, and their religion was Islam. And sometimes the word Islam is used specifically for the religion and the Sharīʿah which was brought by the last of the Prophets.

Keywords: Religion, faith, belief, worship, Islam,

مذہب اپنے عام معانی کے لحاظ سے ایک طرز زندگی یا زندگی گزارنے کے طریقے کا نام ہے۔ یہ لفظ اردو زبان میں، عربی سے آیا ہے، جس کا لغوی معنٰی بھی چلنے کا راستہ ہے۔[1] اردو زبان میں یہ لفظ، درحقیقت انگریزی کے لفظ Religion کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی میں لفظ Religion کا استعمال اس معانی میں ہوتا ہے کہ یہ ایک نسبت، رشتہ اور تعلق ہے جو انسانوں کا خدا سے یا مقدس ہستیوں اور روحوں سے ہوتا ہے۔[2] مسلمانوں کے ہاں عموماً اس سے مراد زندگی کا ایسا طریقہ وراستہ جو عقیدہ و نظریہ اور فکر و عمل کے سارے شعبوں پر محیط ہے، جو ایک طرف انسان کو دنیوی، مادی یا جسمانی زندگی کی رہنمائی اور توازن سے مالا مال کرتا ہے اور دوسری طرف اس کی اندرونی باطنی اور روحانی پاکیزگی، نشوونما اور تعمیر کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ ایک طرف فرد کی تعمیر کرتا اور دوسری طرف پورے معاشرے کی اصلاح کا بیڑہ اٹھاتا ہے۔

دین ومذہب کا قرآنی تصور

قرآن میں لفظ مذہب مذکور نہیں، عربی زبان کی اصطلاح میں مذہب، مسلک اور نقطہ نظر، عقیدے اور فقہی رائے کے لیے مستعمل ہے۔[3] قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو طرز زندگی اور ضابطہ حیات پسند فرمایا ہے وہ "دین اسلام" ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ۔[4]

(بے شک دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہے۔)

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۔[5]

(آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام بطور دین۔)

یہاں پر دین بطور ضابطہ حیات یعنی زندگی اور حیات و ممات کا ضابطہ، طریقہ اور نظریہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ گویا قرآن کی اصطلاح خاص جو ضابطہ حیات کے لیے مخصوص ہے وہ "دین اسلام" ہے۔ قرآن حکیم میں لفظ دین ساخت اور بناوٹ کے

اختلاف کے ساتھ 95بار آیا ہے۔66 مرتبہ اسم مصدر[6] اور 28 بار حالت اضافی کے ساتھ اسم اشارہ،اس کا دین،ان کا دین، تمہارا دین اور میرا دین کی صورت میں آیا ہے۔ صرف تین بار فعل کے طور پر آیا ہے۔[7]

دین کا معنیٰ جزاء، سزاء، بدلہ، محاسبہ اور فیصلہ بھی ہے۔[8] جس کو یوم القیامۃ اور یوم الحساب بھی کہا گیا ہے۔اس سے مراد وہ دن یا زمانہ ہے جب انسان کی یہ مادی زندگی ختم ہو جائے گی اور دوسری زندگی شروع ہو جائے گی،اسی دن انسان حق اور سچائی کا براہ راست مشاہدہ کرے گا،اچھے اور برے اعمال کے مطابق جزاءوسزادی جائے گی۔اس کی نشاندہی قرآن حکیم سے ہوتی ہے:

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ۔[9]

(مالک ہے روز جزاء کا۔)

یہی جزاء، سزاء، بدلے اور اجر کا دن ہے، نیک بندوں کے لیے اجر اور بد کے لیے سزا کا دن ہے

سورۃ الصافات میں ہے:

وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ الدِّينِ۔[10]

(اور وہ کہیں گے کہ ہم برباد ہو گئے یہ تو یوم جزاء ہے۔)

اسی طرح ارشاد ہوا:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ۔[11]

(کیا آپ نے دیکھا ہے جو جھٹلاتا ہے روز جزاء کو۔)

دین کا ایک معنی قانون بھی ہے[12] اسی طرح دین تابع فرماں اور سر تسلیم خم کرنے کا معنی بھی دیتا ہے[13] دین بندگی رب کے معنی میں بھی آیا ہے۔[14] دین فطرت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔[15]

اصطلاح میں دین اس نظام فکر و عمل ،ضابطہ حیات ، قانون اور اسی کی اطاعت اور خود سپردگی کی کہا جاتا ہے ، جس کے مطابق معاشرے کے افراد اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی بسر کرتے ہیں۔ گویا دین ان عناصر کا نام ہے جنہیں حاکمیت و اقتدار اعلیٰ ،نظام فکر و عمل، تسلیم ورضا اور جزاوسزا کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دین کا مطلب یہ ہے کہ انسان حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مختص کرے ،کوئی بھی اس کے ساتھ فکر و عمل کے اعتبار سے شریک نہ کرے۔اس ضابطہ حیات اور قانون کی پابندی کرے۔اس فیصلے ،حکم اور قانون کو منشائے کلام مان کر زندگی بسر کرے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر نے بتائے ہوں۔اس کے برعکس جو کسی بھی انسان یا اور مخلوق کے حکم اور فیصلے کو منشائے کلام مان کر اس کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ اسی کے دین پر ہے۔

مولانا مودودی(1979ء-1903ء)لکھتے ہیں کہ یہ لفظ عربی ذہن میں چار بنیادی تصورات کی ترجمانی کرتا ہے۔

1۔ غلبہ و تسلط کسی ذی اقتدار کی طرف سے

2۔ اطاعت، تعبد اور بندگی،صاحب اقتدار کے آگے جھک جانے والے کی طرف سے

3۔ قاعدہ وضابطہ اور طریقہ جس کی پابندی کی جائے

4۔ محاسبہ،فیصلہ اور جزاو سزا۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ قرآنی زبان میں لفظ دین ایک پورے نظام کی نمائندگی کرتا ہے جس کی ترکیب چار اجزاء سے ہوتی ہے۔

1۔ حاکمیت واقتدار اعلی

2۔ حاکمیت کے مقابلہ میں تسلیم واطاعت

3۔ وہ نظام ِ فکر و عمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے۔

4۔ مکافات جو اقتدار اعلیٰ کی طرف سے اس نظام کی وفاداری و اطاعت کے صلے میں یا سرکشی و بغاوت کی پاداش میں دی جائے۔[16]

گویا قرآن حکیم لفظ دین کو ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے اور اس سے ایک ایسا نظام زندگی مراد لیتا ہے جس میں انسان کسی کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرکے اس کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کرلے،اس کے حدود وضوابط اور قوانین کے تحت زندگی بسر کرے،اس کی فرمانبرداری پر عزت،ترقی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس کی نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے۔غالباًدنیا کی کسی زبان میں کوئی اصطلاح ایسی جامع نہیں ہے جو اس پورے نظام پر حاوی ہو۔[17]

قرآن حکیم میں فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی، دین کے لیے کشمکش کے سلسلہ میں لفظ دین اس طرح سے آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُۥٓ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ۔[18]

(اور فرعون نے کہا چھوڑو مجھے، میں اس موسیٰ کو قتل ہی کیے دیتا ہوں اور اب پکارے وہ اپنے رب کو، مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ تمہارا دین نہ بدل دے، یا ملک میں فساد نہ کھڑا کر دے۔)

قرآنِ حکیم میں قصہ فرعون و موسیٰ کی جتنی تفصیلات آئی ہیں ان کو نظر میں رکھنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہاں دین مجرد مذہب کے معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ ریاست اور نظام تمدن کے معنی میں آیا ہے۔ فرعون کا کہنا یہ تھا کہ اگر موسیٰ اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو اسٹیٹ بدل جائے گا۔ جو نظام زندگی اس وقت فراعنہ کی حاکمیت اور رائج الوقت قوانین و رسوم کی بنیادوں پر چل رہا ہے وہ جڑ سے اکھڑ جائے گا اور اس کی جگہ یا تو دوسرا نظام بالکل دوسری ہی بنیادوں پر قائم ہو گا، یا نہیں تو سرے سے کوئی نظام قائم ہی نہ ہو سکے گا بلکہ تمام ملک میں بد نظمی پھیل جائے گی۔[19]

اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صحیح نظام زندگی صرف وہ ہے جو خود اللہ ہی کی اطاعت و بندگی (اسلام) پر مبنی ہو۔ اس کے سوا کوئی دوسرا نظام، جس کی بنیاد کسی دوسرے مفروضہ اقتدار کی اطاعت پر ہو، مالک کائنات کے ہاں ہر گز مقبول نہیں ہے، اور فطرتاً نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ انسان جس کا مخلوق، مملوک اور پروردہ ہے اور جس کے ملک میں رعیت کی حیثیت سے رہتا ہے، وہ تو کبھی یہ نہیں مان سکتا کہ انسان خود اس کے سوا کسی دوسرے اقتدار کی بندگی و اطاعت میں زندگی گزارنے اور کسی دوسرے کی ہدایات پر چلنے کا حق رکھتا ہے۔[20]

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ۔[21]

(اللہ کے نزدیک دین تو دراصل اسلام ہے)

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ ۔[22]

(اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا، اس سے وہ دین ہر گز قبول نہ کیا جائے گا۔)

تصور دین کی وضاحت میں، قرآن مجید کی آیات میں لفظ دین کے چند مترادفات بھی مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک لفظ ملت بھی استعمال ہوتا ہے۔

امام راغب اصفہانی (م 1108ء) لفظ ملت کے متعلق لکھتے ہیں کہ

الملة فی اللغة سنتهم وطریقهم[23]

(ملت لغت میں سنت اور طریقے کو کہتے ہیں۔)

اصطلاح میں "ملت" اس اجتماعی طرز زندگی کو کہتے ہیں جو ایک جماعت یا معاشرہ معاشی یا معاشرتی ضروریات کے لیے اختیار کرتا ہے۔ علامہ شہرستانی (1153ء-1086ء) "ملت" کی وضاحت اور تشریح اجتماعی زندگی اور معاشی ومعاشرتی ضروریات کی تکمیل اختیار کرنے والے طرز عمل کے طور پر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"وَ لَمَّا کَانَ نَوۡعُ الۡاِنۡسَانِ مُحۡتَاجَا اِلیٰ اِجۡتِمَاعِ مَعَ آخِرِ مِنۡ جِنۡسِه ،فِیۡ اِقَامَةِ مَعَاشِیَتِه ،وَالۡاِسۡتِعۡدَادُ لِمَعَادِهِ ، وَذَالِکَ الۡاِجۡتِمَاعُ یَجِبُ اَنۡ یَکُوۡنَ عَلیٰ شَکۡلٍ یَحۡصِلُ بِه التَّمَانُعُ وَالتَّعَاوُنُ،حَتّٰی یَحۡفُظُ بِالتَّمَانُعِ مَاھُوۡلَه وَیَحۡصُلُ بِالتَّعَاوُنِ مَا لَیۡسَ لَه فَصُوۡرَةُ الۡاِجۡتِمَاعِ عَلیٰ ھٰذِهِ الۡھَیۡئَةِ ھِیَ الۡمِلَّةُ وَالطَّرِیۡقُ الۡخَاصُ الَّذِیۡ یُوۡصَلُ اِلیٰ ھٰذِهِ الۡھَیۡئَةِ ھُو الۡمِنۡھَاجُ وَاَشۡرَعَةُ وَالسُّنَّةُ وَالۡاِتۡفَاقُ عَلیٰ تِلۡکَ الۡسُّنَّةِ ھِیَ الۡجَمَاعَةُ۔"[24]

(جب نوع بشر کو اپنی معیشت کی قیام اور بقاء کے لیے اجتماعی زندگی کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس اجتماعی زندگی کے قیام کے لیے تمانع (ایک دوسرے کو روکنا، باز رکھنا) اور تعاون لازم ٹھہرایا گیا تاکہ تمانع کے ذریعے موجود کی حفاظت کرے اور تعاون کے ذریعے جو ان کے پاس نہیں ہیں وہ حاصل کریں۔ پس اجتماعی زندگی کی اسی صورت کو **ملت** کہا جاتا ہے، اور اس خاص طریقے کو جس کے ذریعے یہ صورت حاصل کی جاتی ہے، منہاج، شریعت اور سنت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اسی سنت پر اتفاق کا نام جماعت ہے۔)

قرآنی آیات میں "ملت" کی اصطلاح پندرہ بار استعمال ہوئی ہے۔ دس بار اسم مصدر کے طور پر جب کہ پانچ بار اسم ضمیر کی اضافت کے ساتھ، جو کہ ہماری ملت، ان کی ملت، تمہاری ملت کا مفہوم رکھتا ہے، مستعمل ہے۔ آٹھ دفعہ ملت ابراہیم کی صورت میں اور پانچ مرتبہ ملت ابراہیم کے ساتھ حنیفا کا اضافہ کیا گیا ہے۔ محل استعمال کی رو سے ملت اس وقت دین کے ساتھ زیادہ مماثلت

رکھتا ہے جب ملت ابراہیم کے طور پر استعمال ہو۔ البتہ ملت مختلف لوگوں کی جماعت کے لیے ہو تو معنیٰ میں امت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔[25]

اس تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت اس اجتماعی زندگی کا نام ہے جس کو مذہبی تقدس حاصل ہو۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ۗ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔[26]

(آپ کہیے کہ اللہ نے سچ فرمایا تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔)

ایک دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ۔[27]

(قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر، اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا۔)

لہٰذا، ذیل کی آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دین اور ملت، مترادف ہیں۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔[28]

(اے حبیب ﷺ! کہو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، بالکل ٹھیک دین، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ، ابراہیم کا طریقہ، جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔)

قرآن حکیم نے مذہب کے مفہوم کو سبیل کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔[29]

(اے حبیب ﷺ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔)

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایات و تعلیمات دین کے لیے شریعت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا۔[30]

(ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور طریق مقرر کیا ہے۔)

اسی طرح ”ھدایت “کا لفظ بھی دین کے مترادفات میں سے ہے۔ علامہ راغب اصفہانی(1108ء)”ھدایت “کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ جو چیز مطلوب تک پہنچادے اس کی طرف ملائمت اور نرمی سے رہنمائی کرنا ہدایت ہے، فلاں شخص کو ہدایت دی یعنی اس کی رہنمائی کی، اللہ تعالیٰ نے انسان کو چار قسم کی ہدایت دی ہے۔

1۔ عقل اور شعور کی ہدایت اور بدیہیات کا علم ہر شخص کو عطا فرمایا ہے:

أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۔[31]

(جس نے ہر چیز کو اس کی (مخصوص) بناوٹ عطا فرمائی پھر ہدایت دی۔)

2۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانوں سے اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا ۔[32]

(اور ان میں سے ہم نے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔)

اسی طرح قرآن مجید میں صراط اور طریق کے الفاظ مذہب کے مفہوم میں وارد ہوئے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَ إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۔[33]

(اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم دکھاتے ہیں۔)

دو نقطوں کو ملانے والے سب سے چھوٹے خط کو لغت میں صراط مستقیم کہتے ہیں، اور شریعت میں صراط مستقیم سے مراد وہ عقائد ہیں جو سعادت دارین تک پہنچاتے ہیں۔ یعنی وہ دین اسلام جس کو دے کر تمام انبیاء اور رسل کو مبعوث کیا گیا اور ان تمام کی نبوات اور رسالات کو حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت پر ختم کر دیا گیا۔ جس دین سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی صحیح معرفت ہو اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو وہ صراط مستقیم ہے۔[34]

دین کی ابتداء

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی طور پر جب کرہ ارض پر انسان کا ظہور ہوا، تو ابتداء میں انسانی معاشرہ نہایت ہی سادہ تھا، افراد کم تھے، تمام افراد یکساں اور فطری زندگی بسر کرتے تھے، باہمی تعلقات میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ باہمی اختلافات

اور مخالفت کا نام ونشان نہ تھا۔ انسانی زندگی فطرت کے قریب تھی۔ بشریت کے اس عہد میں انسان کو کسی بھی قانون یا شریعت کی ضرورت نہ تھی، اس لیے کہ تمام انسان فطری قانون کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔ فطرت کے قریب ہونے کی بناء پر انسان اللہ تعالیٰ کی صفات اور عبادات کے طریقوں سے آگاہ تھا۔ اس لیے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اپنی فطرت پر کی، اور دوسری بات یہ کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو نبوت دے کر اسماء اور کلمات کی صورت میں دینی تعلیمات سے بہرہ ور کیا تھا۔

رفتہ رفتہ جب انسانی نسل میں اضافہ ہوتا گیا، اس کا پہلا اثر انسانی جماعت پر یہ پڑا کہ تمام انسان جو ایک اکائی کی صورت میں رہتے تھے، یکساں آب وہوا اور جغرافیائی حالات کے تحت زندگی گزار رہے تھے، انہوں نے کثرت تعداد اور خوراک کی قلت کی وجہ سے اپنا ابتدائی مستقر چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف نقل مکانی شروع کی۔ جس سے بشری اجتماع کی اکائی ختم ہوگئی۔ اس کے علاوہ مختلف اقالیم اور علاقوں کی آب وہوا اور جغرافیائی حالات کا انسانی فطرت پر اثر ہوتا گیا۔

اسی طرح مختلف علاقوں میں آباد ہونے کی بناء پر ضروریات زندگی، اسباب اور معیشت کے پیداواری آلات اور ذرائع میں بھی اختلاف رونما ہوا۔ جغرافیہ اور آب وہوا کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے رہن سہن اور طور طریقوں یہاں تک کہ زبان اور رنگ میں بھی فرق پیدا ہوا یہ فرق جب مزید گہرا ہوا تو اس نے تنازعات، لڑائیوں، جھگڑوں اور حقوق کی پامالی کی صورت اختیار کرلی ۔تب اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی میں دوبارہ وحدت، اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ شروع کیا ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ۔[35]

(اور نہیں تھے لوگ (ابتداء میں) مگر ایک ہی امت پھر (اپنی کج روی سے) باہم اختلاف کرنے لگے، اور اگر ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے ہیں۔)

ایک دوسری جگہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی بتایا گیا ہے کہ نوع بشر جن امور میں اختلاف رکھتے تھے، انبیاء کرام علیہم السلام ان کے درمیان کتاب کی رو سے فیصلہ کریں:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَ أَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ۔[36]

(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا) تو بھیجے اللہ نے انبیاء خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کتاب برحق تاکہ فیصلہ کردے لوگوں کے درمیان جن باتوں میں وہ جھگڑنے لگے تھے۔)

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور ان کی تعلیمات کسی ایک قوم یا ملک کے لیے مخصوص و محدود نہیں تھی بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت ہر قوم کے لیے کی گئی تھی۔ چنانچہ ہر زمانے اور ہر ملک میں یکساں طور پر اس کا ظہور ہوا، دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جہاں نسل انسانی آباد ہوئی ہو اور وہاں اللہ تعالیٰ کا رسول یا نبی مبعوث نہ ہوا ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔[37]

(اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو گزرا ہو۔)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔[38]

(آپ تو (کج روی کے انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے آپ ہادی ہیں۔)

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات ہمیشہ سے دو قسم کی باتوں سے مرکب رہی ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو ان کی روح اور حقیقت ہے۔ دوسری وہ ہے جس سے ان کی ظاہری شکل و صورت آراستہ کی گئی ہے۔ پہلی چیز اصل اور دوسری چیز فرع ہے۔ پس انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا وہ حصہ جو کہ روح اور حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے، جو کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کی بنیاد اور یکساں اہمیت کا حامل رہا ہے دین سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ تعلیمات کا وہ حصہ جس سے ظاہری شکل و صورت آراستہ کی گئی ہے شرائع اور منہاج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور تمام انسانیت کے لیے عالم گیر قانون سعادت کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ عالم گیر قانون سعادت ایمان اور عمل صالح پر مشتمل رہا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔[39]

(اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے۔)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۔[40]

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو۔)

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا دوسرا حصہ اصل یعنی دین کی ظاہری شکل وصورت کا ہے جس کے لیے شرع، منہاج اور نسک کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ شرع اور منہاج کے معنی راہ کے ہیں اور نسک سے مقصود عبادات کے طور طریقے ہیں۔ پھر اصطلاح میں شرع قانون، مذھب اور نسک عبادات کو کہتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں جس قدر اختلاف بھی رہا ہے وہ دین کا نہیں بلکہ محض شرع اور منہاج کا اختلاف رہا ہے۔ اس لیے کہ نسل انسانی کے حالات ہر عہد اور ہر ملک میں یکساں نہیں رہے، معاشرتی و معاشی حالات اور ذہنی استعداد میں تفاوت اور فرق آیا۔ اس لیے ضرورت اس بات کی پڑ گئی کہ اصل اور بنیادی تعلیمات یعنی دین تمام انسانیت کے لیے یکساں ہو، جبکہ شرع و منہاج اور عبادات کے طور طریقے آب وہوا اور جغرافیائی و معاشرتی حالات کے مطابق الگ الگ ہو۔ پس جس نبی اور مذہب کا ظہور جس زمانے اور جیسی استعداد کے لوگوں میں ہوا، اسی کے مطابق شرع و منہاج کی صورت اختیار کی گئی۔ دوسرے الفاظ میں جس ملک اور خطہ ارض میں جو صورت اختیار کی گئی وہ اس کے لیے موزوں تھی۔ یہ اختلاف اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، جتنی اہمیت نوع بشر کے تمام معاشرتی اور طبعی اختلافات کو دی جاسکتی ہے ۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ۚ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ۔[41]

(ہر امت کے لیے ہم نے مقرر کر دیا ہے عبادت کا طریقہ جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں، آپ بلاتے رہیے انہیں اپنے رب کی طرف (اے محبوب ﷺ!) آپ بے شک سیدھی راہ پر (گامزن ہیں۔)

اختلافی مذاہب کے ارتقاء پر قرآن کا مؤقف

تاریخی طور پر مذاہب کا جو اختلاف نظر آتا ہے اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ ہر دور میں دین کی اصل اور حقیقت کو بھلا کر اس کی ظاہری شکل وصورت کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ پیروان مذاہب، مذہب کو صرف اس کے ظواہر رسوم میں دیکھنے لگے۔ انسانی

سعادت و نجات ظاہری رسوم و رواج اور شکل و صورت سے وابستہ کی گئی۔یوں ہر گروہ اور جماعت بشری اپنے آپ کو حق اور صداقت پر مانتا تھا اور دوسروں کے طور طریقے اور عبادات کو غلط سمجھتے تھے۔

اسی طرح سچائی اصلاسب کے پاس رہی لیکن عملاسب نے کھودی تھی۔سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی اور سب کے لیے ایک ہی عالم گیر قانون ہدایت تھا، لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کردی اور دین پر قائم رہنے کی بجائے الگ الگ گروہ بندیاں کر کے ہر گروہ دوسرے گروہ سے لڑنے لگا اور سمجھتا تھا کہ دین کی سعادت اور نجات صرف اسی کے ورثہ میں آئی ہے دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے یہ حقیقت واضح کردی کہ دین صرف چند ظاہری رسوم کا نام نہیں بلکہ اصل دین خداپرستی اور نیک عملی کا نام ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۔[42]

(نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور (خرچ کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح ادا کیا کرے نماز اور دیا کرے زکوۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیز گار ہیں۔)

الغرض مذکورہ بالا حقائق سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ دین کا آغاز ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان اور پہلے نبی بھی تھے۔

☆ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی مہرباں ﷺ تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک ہی دین کے داعی اور مبلغ تھے۔فروعی مسائل اور شرائع میں اختلاف کے باوجود بنیادی اور اصولی تعلیمات یکساں اور ایک جیسے ہیں۔

☆ دین ابتداء سے لے کر آخر تک اللہ تعالی کی وحدانیت، رسالت اور حیات بعد الممات یا معاد کے عقائد اور اعمال صالحہ کا مجموعہ رہا ہے۔

☆ شرک، بت پرستی، دین سے انحراف اور انسانی ذہن و عمل کی کج روی کا نتیجہ ہے۔انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات ہمیشہ سے ایک الٰہ کی عبادت اور بندگی پر مشتمل رہی ہے۔

☆ داعیان اور مبلغین دین، انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک آسمانی سلسلے میں منسلک تھے۔وہ ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے رہے۔ قرآن حکیم اس بات کی بھی تصریح کرتا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے اس بات کا عہد و پیمان لیا گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مبشر و مصدق ہوں گے۔

☆ قرآنی آیات سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین کے لیے منتخب کیا تھا۔وحی کے ذریعے وقتاً فوقتاً انسان کی رشد و ہدایت کا جو انتظام اللہ تعالیٰ نے کیا تھا انبیاء کرام علیہم السلام اسی نظام کا ایک حصہ تھے،اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ دینی تعلیمات اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے انسانوں تک پہنچائی ہیں۔

☆ وحی اور نبوت انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔عام انسان وحی کے منصب پر بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

☆ دین انسان کی فطرت اور سرشت میں شامل ہے،[43] یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی بھی انسانی معاشرہ ایسا نہیں گزرا جو دین سے خالی ہو۔

مصادر اور مراجع:

1 ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2003ء)، ج1، ص394۔

2 William Skeat, An Etymological Dictionary of the English Language (Oxford: Clarendon Press, 2005), 508.

3 ڈاکٹر مستفیض احمد علوی، جدید سیاسی افکار کا تجزیہ قرآن حکیم کی روشنی میں، (اسلام آباد: پورب اکادمی، 2010ء)، ص24۔

4 آل عمران، 19:3۔

5 المائدۃ، 3:5۔

6 محمد فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، (قاہرہ: دار الحدیث، 1364ھ)، ص329۔

7 Ghulam Haider Aasi, Muslim Understanding of other Religions, (International Institute of Islamic Thought and Islamic Research Institute, 1999), 3.

8 سید مرتضیٰ حسینی، تاج العروس، (بیروت: دار الفکر، 1422ھ)، ج 9، ص207۔

9 الفاتحۃ، 1: 3۔

10 الصافات، 20:37۔

11 الماعون، 1:107۔

12 التوبۃ، 36:9۔

13 آل عمران، 83:3۔

14 یوسف، 40:12۔

15 الروم، 30:30۔

16 سید ابو الاعلیٰ مودودی، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات، (لاہور: اسلامی پبلی کیشنز، 2000ء)، ص124-125۔

17 ایضاً، ص132۔

18 الغافر، 26:40۔

19 مودودی، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص133۔

20 ایضا، ص135۔

21 آل عمران، 19:3۔

22 ایضاً، 85۔

23 راغب اصفہانی، المفردات، (مصر: المطبعۃ البہیۃ1304ھ)، ص181۔

24 علامہ شہرستانی، الملل والنحل، (بیروت، لبنان: دار الجیل، 1996ء)، ص44۔

25 آل عمران، 95:3۔ النساء، 125:4۔ یوسف، 37:12۔

26 آل عمران، 95:3۔

27 الحج، 78:22۔

28 الانعام، 161:6۔

29 النحل، 125:61۔

30 المائدۃ، 48:52۔

31 طہٰ، 50:20۔

32 حٰم السجدہ، 24:32۔

33 الشوریٰ، 52:42۔

34 غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، (لاہور: فرید بک سٹال، 2009ء)، ج1، ص211۔

35 یونس، 10 :19۔

38 البقرۃ، 213:2۔

39 الفاطر، 24:35 ۔

40 الرعد، 7:13۔

41 النحل، 36:16۔

42 الأنبیاء، 24:2۔

43 الحج، 67:22 ۔

44 البقرۃ، 177:2۔